نزولِ قرآن کے وقت سب سے پہلی مکمل سورۃ یہی نازل ہوئی ۔

رکوع نمبر ۱　　آیات ۱ تا ۷　　الم ۱/۱

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ	سورۂ فاتحہ مکی ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں	THE OPENING *Revealed at Makkah*
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○	In the name of Allah, the Beneficent, the Merciful.
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①	سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے ①	1. Praise be to Allah, Lord of the Worlds,
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ②	بڑا مہربان نہایت رحم والا ②	2. The Beneficent, the Merciful.
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③	انصاف کے دن کا حاکم ③	3. Owner of the Day of Judgment,
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④	(اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ④	4. Thee (alone) we worship; Thee (alone) we ask for help.
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤	ہم کو سیدھے رستے چلا ⑤	5. Show us the straight path,
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ⑥	ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا ⑥	6. The path of those whom Thou hast favoured;
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦	نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے ⑦	7. Not (the path) of those who earn Thine anger nor of those who go astray.

اسرار و معارف

دُعا مانگنے کا طریقہ

اللہ کریم نے نوع انسانی کو ایک جامع اور مکمل دُعا تعلیم فرمائی، ایک ایسی دعا جس میں اللہ کی تعریف، اقرارِ عبودیت کے ساتھ استعانت و امداد کی درخواست اور پھر ہر دو عالم کی بھلائی اور اچھائی کا سوال ہے یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دُعا کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا جائے، پہلے اللہ کی تعریف پھر اپنا اقرارِ عجز، وعدۂ بندگی اور پھر اپنی آرزو و تمنا۔

تعوذ و تسمیہ کے بعد انسان سب سے پہلے یہ اقرار کرتا ہے کہ جملہ کمالات اور ساری خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں حُسن و جمال ہو یا جاہ و جلال، قوت و طاقت ہو یا علم و ہنر، جہاں بھی جس چیز کی خوبی بیان ہوگی وہ دراصل تصویر کی وساطت سے سہی، تعریف تو مصوّر کی ہی ہوگی۔ کیونکہ اللہ ہی ربّ العالمین ہے تمام کائنات کو تمام کمالات عطا کرنے والا ہے۔ اس کا نظامِ رُبوبیّت اس قدر جامع ہے کہ ساری مخلوق بیک وقت ایسے مستفید ہو رہی ہے۔ گویا یہ سارا کارخانہ اُسی ایک کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس نے مخلوق کو نہ صرف وجود عطا فرمایا بلکہ اس کی تعمیر و بقاء اور اصلاح کے طور طریقے بھی تعلیم فرما دیئے اور پھر ساری مخلوق کو اس کی ضروریات کا ادراک بخشا، ساتھ ہی تکمیل ضرورت کے اسباب مہیا فرمائے۔ اس کارگہِ حیات کو تعمیر ہی اس انداز سے فرمایا کہ جہاں شاہی محلات کو سورج سے روشن کیا وہاں غریب کا جھونپڑا بھی اسی سے منور ہے اور جہاں باغات میں پھل پک رہے ہیں وہاں چیونٹی کے انڈے بھی سینچے جا رہے ہیں۔ یہ ہوا، یہ روشنی، یہ بارش اور یہ پانی، موسم کا تغیّر و تبدّل اور دن رات کی آمد و رفت بیک وقت ساری مخلوق کو متاثر کرتی، سب کی تربیت کرتی، سب تک رزق پہنچاتی اور سب کو مستفید کرتی نظر آتی ہے۔

مخلوق کو احساسِ ضرورت اور تکمیلِ ضرورت کی تعلیم کا خُدائی انداز

یہ اُس کی رُبوبیّت کا کمال ہے کہ جہاں اشیائے ضرورت مہیا فرمائی ہیں وہاں ہر شے کو احساسِ ضرورت بخشا اور تکمیلِ ضرورت کے طریقوں سے بھی آشنا فرما دیا۔ گائے کا بچھڑا پیدا ہوتے ہی جان لیتا ہے کہ اُس کی غذا ماں کا دودھ ہے اور وہ کہاں ملے گا۔ فوراً کھڑا ہوتے ہی پیٹ کے نیچے تھن تلاش کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تھن سے دودھ کو کس طرح چوسنا ہے۔ اسی طرح مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ ایک چیونٹی تک کو علم ہے کہ اُسے کیا کرنا ہے یہی ہوا جو پھولوں کی خوشبو لیے پھرتی ہے چیونٹی تک دانے کی خوشبو بھی پہنچا رہی ہے اور چیونٹی کو اپنی ضرورت اور اس کی تکمیل کی صورت کا اس حد تک علم ہے کہ جو دانہ بل میں لے کر جاتی ہے اُسے دو ٹکڑے کر کے رکھتی ہے مبادا زمین کی نمی سے اُگ آئے اور اُس کی محنت اکارت جائے حتیٰ کہ اگر دھنیا بھی لے جا کر بل میں رکھے تو اس کے چار ٹکڑے کرتی ہے کیونکہ وہ آدھا بھی اُگ آتا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟

اس کی ربوبیت کی شان ہے کہ احساس ضرورت اور پھر تکمیل ضرورت کا علم حسب ضرورت ہر صاحب ضرورت کو بخشا۔ قرآن کریم نے ربوبیت جیسی عظیم صفت کو بھی عظمت باری کی دلیل اور اس کے معبود برحق ہونے اور انسان پر عبادت کے ضروری ہونے کی بنیادی دلیل کے طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

نبوت اثباتِ ربوبیت کی دلیل ہے

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اور یہی ربوبیت اثباتِ نبوت کی بھی دلیل ہے کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ جسم اور روح سے مرکب ہے۔ جہاں اسے بدن، اس کی ضروریات اور ان کی تکمیل کے طریقوں کا علم اور اشیاء کی ضرورت ہے وہاں اسے روح کی ضروریات اور ان کی تکمیل کے طریقوں کا جاننا بھی ضروری ہے۔ بدن کی تعمیر کا علم دماغ کو بخشا اور پھر سارے دماغ یکساں نہیں ہیں بلکہ ہر فن کے صاحب فن سے رجوع کرنا پڑتا ہے اسی طرح روحانی تکمیل کے لئے دل کو چنا اور اس کی تربیت کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے جو اس موضوع پر کامل تھے اور اپنے اپنے وقت میں نوع انسانی نے ان سے استفادہ کرکے اپنی روحانی زندگی درست کرلی۔ جو رہ گئے وہ روحانی موت سے دوچار ہوئے جس طرح غذا سے محروم انسان جسمانی موت سے ہمکنار ہوتا ہے اور جو رب چیونٹی سے بات کرتا اور بچھڑوں کے دلوں میں بات ڈالتا ہے جو شہد کی مکھی کو پھول تک رسائی کی قوت اور پھول کے رس کو شہد میں ڈھالنے کا طریقہ تعلیم فرماتا ہے کہ یہ اس کی ربوبیت کے مظاہر ہیں اگر وہ کسی ہستی کو نبوت عطا فرماتا ہے تو یہ بھی شانِ ربوبیت ہے کہ روح کی غذا کا سبب پیدا فرماتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے وحی یا القاء و الہام کی نعمت عطا فرماتا ہے تو اس میں کوئی استبعاد نہیں پھر انبیاء کے صحیح اور سچے جانشین اور ان کے متبعین وہ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی اُن کے نقش قدم پر نثار کرتے ہیں انہیں بقدر ہمت کوئی قطرہ نصیب ہوتا ہے تو باتباع نبی ہی اور اسی کے کمال کا پرتو ہوتا ہے اور اسی کو کشف، الہام یا القاء کہا جاتا ہے نبی پہ جو کچھ وارد ہوتا ہے وہ اُسے ٹھیک ٹھیک سمجھتا ہے۔

ولی کے کشف میں غلطی کا امکان اور سبب

مگر ولی کی قوت اس درجہ کی نہیں ہوتی۔ کشف تو اس کا بھی برحق ہوتا ہے کہ اعلام من اللہ ہوتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ سمجھنے میں ٹھوکر کھا جائے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ ولی کا کشف نبی کے ارشاد سے متصادم نہ ہو اگر ہوا تو ناقابلِ عمل ہوگا گویا سمجھنے میں خطا ہوئی۔ نیز نبی کا اتباع پوری اُمت پر فرض جبکہ ولی کا کشف دوسرے کے لئے حجت نہیں ہوتا۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ کی ہی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی صفت رحمت کا دو ناموں سے بیان ہے جو ہم معنٰی ہیں الرَّحْمٰنِ فعلان کے وزن پر ہے جو عموماً جذباتیت سے متعلق اور وقتی صفت ہوتی ہے جیسے غضبان۔ عطشان۔ حیران غصے ہونا، پیاسا ہونا

پریشان ہونا اوصافِ دوامی نہیں ہیں اسی طرح رحمانیت کی صفت کا سبب بھی اس کی ربوبیت ہے چونکہ وہ سارے جہاں کا خالق ہے، رب ہے اس لئے رحمان بھی ہے یہ اسے زیب نہیں دیتا کہ کسی سے تکمیلِ حیات کے ذرائع چھین لے۔ سو جب تک یہ جہان قائم ہے تمام مخلوق اپنی ضروریات، اپنی غذا اور بقائے حیات کے لئے ضروری اشیاء حاصل کر رہی ہے۔

اس عموم رحمت کے ساتھ رحمتِ خاصہ بھی ہے کہ اَلرَّحِیْم ہے یہ اسم فعیل کے وزن پر ہے۔ عربی زبان میں اس وزن پر جو اوصاف بیان ہوتے ہیں وہ دوامی اور ابدی ہوتے ہیں جیسے علیم، حکیم وغیرہ تو ظہورِ رحیمیت اس قدر وسیع ہے کہ ازلی و ابدی ہے، دوامی ہے جس میں نہ کبھی کمی ہوگی نہ انقطاع وقوع میں آئے گا۔ اگر صفتِ رحمت کو دیکھا جائے تو یوں نظر آتا ہے کہ ربوبیت کے باوجود اپنی وسعت کے اس میدان کا ایک ذرہ ہے اور رحمت ہی کا ایک شعبہ، ساری کائنات کی ہر موضوع پر تربیت علمی و عملی خود تعمیرِ حیات و تعمیرِ حیات پر شرف و عزت کی عطاء اور حُسن و خوبی کی بخشش، سب کا اصل رحمت ہے ورنہ نہ کوئی مجبوری تھی اور نہ کوئی مجبور کرنے والا۔ جو علوم اللہ نے تکمیلِ ضرورت کے لئے بخشے۔ یہ بھی مظہرِ رحیمیت ہیں۔

فیضِ رحیمیت کا حصول انسانی ضرورت ہے

اور اعلےٰ علم وہ ہے جو انبیاء کے واسطے سے حاصل ہوا اور مکلف مخلوق کے لئے حصولِ رحیمیت کا سبب بنا۔ ساتھ یہ انتباہ بھی ہے کہ اے لوگو رحمانیت بقائے دنیا تک ہے اس کے صدقے سب مومن و کافر مستفید ہو رہے ہیں۔ مگر جب یہ دنیا نہ رہے گی جو اس وصف کے ظہور کا مقام ہے تو یہ وصف بھی ظاہر نہ ہوگا تمہیں چونکہ رہنا ہے اس لئے تمہاری ضرورت ہے کہ تم رحیمیتِ باری حاصل کرو جو بواسطۂ انبیاء نصیب ہوگی اگر اس سے مستغنی رہے اور رحمانیت پر خوش رہے تو اس دارِ فانی کی زندگی کے بعد وہ تو حاصل ہوگی نہیں اور رحیمیت تم نے حاصل نہ کی تو پھر عضب کا شکار ہو جاؤ گے۔ اسی لئے رحمٰن الدنیا اور رحیماً لآخرت کہا گیا ہے یہ رحمت ہی ہے جو سارے جہاں کو نہ صرف تعمیر کرتی ہے بلکہ ایک تناسب، ایک حُسن اور ایک جمال عطا فرماتی ہے گویا ہر تغیر ایک تعمیری پہلو رکھتا ہے اگرچہ سطحی نظر میں وہ تخریب ہی نظر آئے اور ہم اسے ٹوٹ پھوٹ کا نام دیں مگر ہر غنچے کی فنا میں کلی کی آمد کی نوید ہے۔ اور ہر کلی کے جانے پر پھول کا ظہور۔ گویا ایک کاریگر جو خوبصورت ربط بناتا ہے وہ یونہی نغمے بکھیرنے کے قابل نہیں ہوتا بلکہ اس کی تعمیر کے ساتھ کسی درخت کی تخریب بھی وابستہ ہوتی ہے۔

یہ کانٹ چھانٹ جاری رہتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ مفید شے کو باقی رکھا جاتا ہے اور غیر نافع کو اُٹھا لیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ایک پہلو جو واقعی تخریبی ہے وہ خود انسان کی طرف سے ہے جو اپنی نادانی سے اس کائنات کے حُسن کو بگاڑ دیتا ہے کہ سارے خاکے کی رنگینی حیاتِ انسانی ہے یہ انسان ہے جس کی بدولت یہ جہان حُسن آفرین ہے اور انسان کے ہر فعل سے اس تصویر میں ایک رنگ نکھرتا ہے لہٰذا

جب یہ نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو گویا قدم قدم پر پھول بوتا ہے اور اگر نافرمانی اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس تصویر کے حُسن کو بگاڑنے کا سبب بن جاتا ہے وہ نہ صرف خود اپنی ذات پر گناہ کی ذلّت لاتا ہے بلکہ بقدرِ گناہ اس کے گناہ کا اثر پُورے ماحول کو متاثر کرتا ہے اور اس کا یہ فعل کائنات میں فساد اور تباہی لانے میں معاون بنتا ہے اسی لیے ارشاد ہے: "وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ" اور یہی نافرمانی اس کے لیے ابدی سعادت سے محرُومی اور رحیمیتِ باری سے بُعد کا سبب بنتی ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۔ انسانی افعال کا محرک ان سے حصُولِ فوائد و نتائج کا جذبہ ہے اور جو اس فعل کا اجر دینے والا ہوگا یقیناً اس کی نگاہِ اُمید کا مرکز ہوگا اور کوئی بھی انسان نہ چاہے گا کہ اس کی کسی بات پر وہ ہستی اس سے ناراض ہو جائے۔

نتائج کا عطا کرنا تو ہر وقت اسی ذات کے متعلق ہے مگر ایک دن ایسا بھی ہے جس دن کوئی متنفس غیر حاضر بھی نہ ہوگا اور کوئی متنفس اپنی عارضی ملکیت اور وقتی بادشاہت کا مدعی بھی نہ ہوگا اور وہ دن آخرت کا، روزِ جزا کا ہوگا یعنی صرف اللہ ہی کی ایسی ذات ہے جس کی ملکیت و حکومت کا اقرار ایک روز ساری کائنات بڑے بڑے منکروں سمیت کرے گی۔ تمام کمالات کا منبع بھی اسی کی ذات ہے ساری کائنات کی پرورش بھی وہی کرتا ہے وقتی نعمتیں ہوں یا ابدی، سب اسی کی رحمانیت و رحیمیت کے مظہر ہیں اور وہ ایسا مالک ہے جس کی ملکیت کا اقرار آخر کو سب ہی کریں گے ہے تو ازل سے وہی مگر ایک روز تو سب منکرین کا انکار بھی خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گا تو یہ سب بیان کرنے سے انسان کو ایک خاص قرب اور ایک طرح کی حضوری حاصل ہو گئی۔ دفعتاً خود کو اُس عظیم ذات کے سامنے پایا تو فوراً غائب سے حاضر کی طرف پلٹا اور عرض کیا اور ہم تو صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں کہ میں نے سارے عالم کو دیکھا مگر سب کو محتاج ہی پایا معطی صرف تو ہی ہے۔ لہٰذا میں تو صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور میں خود بھی اپنی ذات میں لاشے محض ہوں۔ اے اللہ! مجھے ہر لمحہ تیری ہی مدد و استعانت کی ضرورت و احتیاج ہے۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ جب تو ایسا کریم ہے اور ہم اتنے عاجز و بے کس اور پھر تیری بارگاہ میں حاضر بھی ہیں اور تجھ سے ہی مدد کے طالب بھی کہ ہماری جبینِ نیاز تیری ہی بارگاہِ عالی میں سجدہ ریز ہے تو اے اللہ! ہم کو سیدھی راہ دکھا! اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ متکلم واحد سے یکایک جمع کی طرف پلٹا اکیلا متکلم تھا کہ ساری کائنات کو وہاں سجدہ ریز پایا۔ جب اظہارِ عبودیت کے لیے سر زمین پر رکھا وہاں مقرّبین و مقبولین کے ہجُوم سجدہ ریز پائے پھر اپنے آپ کو اُن سے جدا نہ کر سکا اور کہنے لگا "اے اللہ! ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اے اللہ! تُو ہم کو سیدھی راہ دکھا" اِس ہم میں صالح اور نیک بندوں سے لے کر شہید، صدیق اور انبیاء تک سب شامل ہیں اور سب یہی عرض گزار ہیں کہ اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دکھا اور اس پر قائم رکھ! ان کی اس "ہم" کے صدقے نہ جانے کس قدر خطاکار بھی بخشش و عطا سے سرفراز ہوئے۔ سُبحان اللہ! کس قدر عجیب دعا تعلیم فرمائی جو کبھی بھی ردّ ہونے والی نہیں، نہ ہی اللہ کی عظمت میں فرق آسکتا ہے اور نہ سائل کی ہم خالی جا سکتی ہے کہ اس "ہم" میں

کثرت اِن مقربانِ بارگاہ کی ہے جو ہمہ وقت لُطفِ عمیم کے سزاوار ہیں اور اللہ کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ اتنے جمِ غفیر کا سوال تو قبول فرمائے اور اس بھیڑ میں کسی ایک سائل کو ردّ کر دے ۔ اللہ! اللہ! دراصل ہماری صلوٰۃ خواہ اس میں ہمارا سارا خشوع و خضوع بھی شامل ہو اس بارگاہ میں درجہ پانے کی اہلیت و استعداد نہیں رکھتی کہ اس کی عظمت و جلالت اس سے کہیں زیادہ کی مستحق ہے اور حال یہ ہے کہ یہاں سرے سے خشوع ندارد ۔

پھر جب اللہ کے نیک بندوں کے سجدے، شہدا کی عبادتیں، غازیانِ اسلام کے برستے گولوں میں ادا کیے گئے فرائض بھی پیش ہوں اور ہماری بے جان عبادت بھی، تو کیا ہو گا اور پھر ملائکہ اور مقربین اور اس سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام اور پھر آقائے نامدار ﷺ کی عبادات تو اس تقابل میں بے شک ہماری عبادت کوئی مقام پیدا نہیں کر سکتی ۔ لہٰذا اللہ کریم نے ایسی دعا تعلیم فرمائی کہ بندہ عرض کرتا ہے ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو تقابل اُٹھ گیا ۔ اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی عبادات ہماری عبادت کی قبولیت کا وسیلہ بن گئیں اور ان کی رفاقت اُسے بھی بابِ اجابت تک لے گئی ۔

سُبحان اللہ! ساتھ ہی ساتھ ایک بات اور سمجھ میں آگئی کہ عظمتِ باری تو پہلے سے ذہن میں تھی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تو پہلے سے جان چکا تھا اب جو تمام مقربین کو بھی سجدہ ریز پایا تو تاکید مزید ہو گئی کہ معطی و منعم صرف ایک ذات ہے باقی تمام کائنات اس کی محتاج تو پکار اُٹھا اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہ اے اللہ! ہم سب تیری ہی مدد کے طلب گار ہیں اور اس "ہم" میں بھی وہی راز پوشیدہ ہے کہ کم از کم انبیاء سے لے کر صالحین تک سب لوگ مدد کا وعدہ دے گئے ہیں ان کی مدد تو یقینی ہو گی یہاں سائل نے اپنے آپ کو بھی ان کے صدقے مدد و استمدادِ الٰہی سے بہرہ ور کر لیا اور یہ سب تعلیمات چونکہ اعلام من اللہ ہیں اس لیے اس قدر گہرے اور دُور رس اثرات مرتب فرماتے ہیں ورنہ انسانی ذہن کی رسائی ان بلندیوں کو نہیں پا سکتی تھی ۔

وسیلہ کی حقیقت

حقیقی وسیلہ یا توسل بھی یہی ہے کہ خود کو اطاعت و اتباع کا قلاوہ گردن میں ڈال کر نیکوں کے گروہ تک پہنچائے، شاید ان کے ساتھ، ان کے طفیل گوہرِ مقصود کو پالے، مگر وائے محرومی کہ بعض سرے سے انکار کیے بیٹھے ہیں اور بعض نے اُن کے نام پر بدعات کی طرح ڈال دی ہے اب دیکھیے! انسان اپنی ان حرکات کے آگے کیسا بند باندھتا ہے کہ :-

جب اجابتِ دُعا کا وقت آیا تو انسان مزید تعین کرتا ہے اس لیے نہیں کہ معاذ اللہ، خُدا کو سمجھا رہا ہے ۔ بلکہ مخاطب اللہ سے ہے اور سمجھا خود کو رہا ہے کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ اٰمِيْنَ ۔ یعنی اُن لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام فرمایا نہ ان کی جو تیرے غضب کا شکار ہوئے یا گمراہ ہو گئے ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے سامنے مزیدار دُودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھی ہو اور دُوسرا زہرِ ہلاہل سے پُر رکھا ہو اب وہ شخص زندگی کا طالب بھی ہو تو یہ دعا کرتا ہو کہ اللہ مجھے زندگی دے کبھی زہر نہیں پیے گا کہ عمل قول سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اس نے عملاً تو خودکشی کی اور زبانی دعوائے طلبِ حیات کرتا رہا ۔ ہاں! اگر وہ طالبِ حیات ہے تو وہ دُودھ اٹھائے گا اور کہے گا

اے اللہ! میں زہر کے قریب نہیں جاتا تُو مجھے اِس سے محفوظ رکھ، اور دُودھ میں میرے لِئے خیر و برکت اور صحت عطا فرما۔ یہ قول و عمل کی مطابقت ہوگی یہاں یہی حال ہے کہ اے اللہ! مجھے اس راہ پہ چلا جو انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین کی ہے تو گویا اپنے آپ سے بھی یہ کہہ رہا ہے کہ اب مجھے وہ کردار اپنانا ہوگا جو اُن متذکرہ ہستیوں کا تھا گو کہ مَیں عمل اپنی حیثیت کے مطابق کر پاؤں۔

صالحین، شہداء اور صدّیقین انبیاء سے مستفید ہوتے ہیں اور انبیاء براہِ راست ذاتِ باری سے، سو یہ ایسی راہ ہے کہ انسان اپنا تعلق اللہ سے قائم کر لیتا ہے اور تعلق دِل کا ہے کہ حاکم تو دِل ہی ہے، بدن اس کا ملک ہے اور اس کے حکم کے مطابق کام کرتا ہے اور دل میں سُنت کی محبت ذِکرِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اس کو شکار کرنے کا تیر یہی ہے اِسی وجہ سے قرآن کریم نے کم و بیش آٹھ صد سے زیادہ آیات میں کہیں بالواسطہ اور کہیں براہ راست ذِکرِ الٰہی کا حکم فرمایا ہے اور انبیاء و صُلحاء کا راستہ بھی یہی ہے اور یہی تصوّف ہے کہ دل منوّر ہو اور ہر کام ہر عبادت نُورِ الٰہی سے مزیّن ہو۔

اگر دل اِس راہ میں ساتھ نہ ہو تو یہ محض زبانی دعوےٰ ہے جس کا اعتبار نہیں۔

مغضوب اور ضالین۔ کُفر کی دو اقسام ہیں پہلے لوگ وہ ہیں جو قولاً و فعلاً انبیاء کی مخالفت پر اُتر آئے اور "ضالین" وہ لوگ ہیں جو قولاً تو خُود کو انبیاء کے مطیع کہتے ہیں مگر نظریاتی اور عملی دُنیا میں اِس کے خلاف نظر آتے ہیں طالب کے لِئے ضروری ہے کہ اس تعین کو مدِّنظر رکھ کر عملی زندگی میں قدم رکھے یہ نہ ہو کہ زہر پی کر زندگی کی دعا کرے یعنی چنگ و رُباب کے سُروں پر سر دُھن رہا ہو اور اُمید رکھتا ہو کہ آخرت سنور رہی ہے۔ اور حیاتِ ابدی کا سامان ہو رہا ہے حالانکہ اس کا مقام مسجد اور طریقہ اتباعِ سُنت ہے نبی اکرم ﷺ نے مغضُوب سے مراد یہُود اور ضالین سے مراد نصاریٰ کا ہونا بیان فرمایا ہے تو آیئے دیکھیں! کہ وہ کن خصلتوں کی وجہ سے مغضُوب ہوئے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کھُلی مخالفت اور اُن کا نہ صرف منکر بلکہ شدید مخالف ہونے کی وجہ سے انھوں نے زور و قوّت سے اپنی ایجاد کردہ خرافات کو رائج کرنا چاہا اور ساتھ ہی ساتھ ساری قوّت انبیاء کی تعلیم کو مٹانے پر لگا دی۔ آج کا ایسا مفکر جو تعلیماتِ دینی کو عبث بتاتا ہے حج کو فضول سفر اور قربانی کو مال کا ضیاع جانتا ہے اور اس کے بدلے آج کی غیر مہذّب تہذیب کا احیاء چاہتا ہے اپنے کردار میں ان سے شدید ہے۔ اور دُوسری طرف وہ جہلاء ہیں جو دعویٰ تو محبت کا کرتے ہیں مگر اظہارِ محبت کا ڈھنگ خود تجویز کرتے ہیں جو سراسر خلافِ سُنت اور بدعات کا مجمُوعہ ہوتے ہیں بے چارے یہ نہیں جان سکے کہ اس بارگاہ میں عشق و محبت بھی حدُود و قیود نہیں توڑ سکتے اور اظہارِ محبت کا طریقہ صرف اتباعِ سُنت ہے اور بس۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اِن سب امراض کا شافی علاج اِسی دُعاء کو مقرر فرمایا ہے اور یہ اس قدر ضروری ہے اور انسانی زندگی میں اس کی اتنی زیادہ ضرورت ہے کہ ہر صلوٰۃ کی ہر رکعت میں باوضو دست بستہ اس کا عرض کرنا ضروری ٹھہرا۔

اللہ! ہم سب کو ہدایت نصیب فرما! آمین۔